کائنات کا تنہا مالک اللہ ہے!

خطاب: ڈاکٹر مولانا سید احمد یوسف بنوری

”مؤرخہ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ مطابق ۹راپریل ۲۰۲۴ء بروز منگل، اُنتیسویں شب میں جامعہ بنوری ٹاؤن کی مسجد میں تراویح میں ختمِ قرآن ہوا، اس موقع پر نائب رئیسِ جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید احمد یوسف بنوری مدظلہ نے اصلاحی خطاب فرمایا، جسے جامعہ کے رفیقِ شعبہ لائبریری مولانا احمد الطاف نے ریکارڈنگ کی مدد سے تحریری شکل دی ہے، افادۂ عام کے لیے قارئینِ بینات کی نذر ہے۔“ (ادارہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين، وعلىٰ آلهٖ وأصحابهٖ أجمعين، أما بعد: فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم: ”كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔“ (سورۂ ص:۲۹) وقال رسول الله ﷺ: ”القرآن حجةٌ لك أو عليك، كل الناس يغدو فبائع نفسه، فمعتقها أو موبقها.“ (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، ص:١٥، رقم الحديث: ٥٣٤، مطبع: رحمانيه، لاهور)

عزیزانِ گرامی قدر! محترم برادرانِ دین!

بنانے والے نے اس کائنات کو بڑے اہتمام کے ساتھ ایک خاص غرض کے لیے پیدا کیا ہے، جس نے بنایا ہے وہی پورے اہتمام کے ساتھ اس کائنات کے نظام کا نگہبان بن کر اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہ کائنات اتفاق کی کارسازی ہے، مختلف عناصر میں کسی وقت کوئی حادثہ پیدا ہوا اور کائنات نے کوئی رُخ اختیار کرلیا، ہوتے ہوتے یہاں مخلوقات کا تنوُّع ہوا، نہیں! یہ حادثہ کی پیداوار نہیں ہے، اسے بنانے والے نے بڑے اہتمام اور شان کے ساتھ بنایا ہے۔ بنانے والے کے سوا یہاں کوئی معبود نہیں، بنانے

والے کا سا یہاں کوئی حکمراں نہیں، بنانے والے کے سوا یہاں پر کوئی مالک نہیں، بنانے والے کے سوا یہاں کسی کی نہیں چلتی، اس نے بنایا ہے جس کے پاس قدرت کے خزانے ہیں، جس کا علم کامل ہے، جس کی خلقت میں نقص نہیں نکالا جاسکتا:

''فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ، ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ'' (الملک: ۳،۴)

''پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے، کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ (یعنی بلا تامل تو نے بہت بار دیکھا ہوگا، اب کی بار تأمل سے نگاہ کر)۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ! (آخرکار) نگاہ ذلیل اور درماندہ ہوکر تیری طرف لوٹ آئے گی۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

جاؤ دیکھو! اس کائنات میں تلاش کرو، میں نے اس کائنات کو اس شان سے بنایا ہے، تمہارے علم میں کمی ہوگی، تمہارا علم بہت بڑھے گا، مگر میری اس کائنات میں نقص نہیں نکل سکے گا، ہزاروں سال پہلے میں نے اُسے ترتیب دیا ہے، یہاں وقت پر سورج نکلتا ہے، وقت پر چاند طلوع ہوتا ہے، رات کا ایک وقت ہے، دن کا ایک وقت ہے، تم اب بہت اتراتے ہو کہ ہم نے جان لیا ہے، اس کا حساب ہمیں معلوم ہوگیا ہے، تم اس کائنات میں چند ٹکوں کی چیزوں کا نظم بناتے ہو، روز خلل پیدا ہوتا ہے، روز نقص کا مظاہرہ ہوتا ہے، جو میں نے بنایا ہے اس کے اندر کمی نظر نہیں آتی اور پھر اللہ فرماتے ہیں: میں نے صرف بنایا نہیں ہے، چلا بھی میں ہی رہا ہوں۔ ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' ایسا نہیں ہے کہ کسی گھڑی ساز نے گھڑی بنادی اور اب نظام کے تحت آٹومیٹک چل رہی ہے، نہیں! نہیں! اس کائنات میں ''اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ'' گھات لگا کر بیٹھا ہوا ہوں، دیکھ رہا ہوں، مخلوقات کا جائزہ لے رہا ہوں۔

عزیزانِ گرامی! بس حجاب یہ چیزیں بن گئی ہیں کہ اس نے اپنا کچھ اختیار اپنی دو مخلوقات کو دے دیا: ایک کا نام انسان ہے اور دوسرے کا نام جن، جنوں کو اللہ نے پردے میں رکھا ہے، نظر نہیں آتے، بہ طور مخلوق کے قرآن کریم کی روشنی میں ہمارا اس پر اعتقاد ہے کہ جنات اس کائنات میں موجود ہیں۔ یہ انسان ہے جس کی رزم گاہ اور تماشا ہم دیکھتے رہتے ہیں، اس انسان کو اللہ نے تھوڑا سا اختیار دیا ہے۔ اختیار کو سمجھنا ہو تو نبوت اور مشکاۃِ نبوت سے مستفید جلیل القدر صحابیِ رسول شیرِ خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس سے زیادہ واضح بات سمجھانے کے لیے کوئی اور مل نہیں سکتی، ان سے کسی نے پوچھا: انسان بااختیار ہے یا مجبور ہے؟ انہوں نے فرمایا: کھڑے ہوجاؤ، کھڑا ہوگیا، کہا: اب اپنی ایک ٹانگ اُٹھاؤ، اس نے آرام سے اُٹھالی، کہا: اب اس کو نیچے رکھے بغیر دوسری بھی اُٹھاؤ، اس نے کہا: نہیں اُٹھا سکتا، کہا: یہ اختیار ہے اور یہ پابندی۔ اس کو اتنا اختیار دے دیا ہے، یہ اس کی تخلیق

میں حصہ بن گیا ہے، شادی کر لیتا ہے، اسباب کے نظام کا جب حصہ بن جاتا ہے، وہ چاہتا ہے:

''یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ'' (الشوریٰ:۴۹،۵۰)

''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹا عطا فرماتا ہے، یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی، اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

یعنی کچھ کو اولاد دے دیا کرتا ہے اور کچھ کو نہیں دیتا، کچھ کو نرینہ اولاد دیتا ہے، ذکور میں سے حصہ دیتا ہے، کچھ کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں عطا کر دیتا ہے، تو انسان کو زعم ہونے لگتا ہے کہ میں بھی تخلیق کے اندر حصہ دار ہوں، یہ بچہ گویا میری تخلیق کا کارنامہ ہے۔ تھوڑا سا اختیار دے دیا ہے، اس تھوڑے سے اختیار سے پہلے زمین میں کاشت کرتا تھا، پھر تجارت کا ذوق پیدا ہو گیا، اب تھوڑا سا اِترانے لگا ہے تو ہواؤں میں اُڑتا ہوا نظر آ رہا ہے، تو خیال یہ ہے کہ اب یہاں پر میری حکمرانی ہوگی، کچھ گروہ منظم ہو گئے ہیں، کچھ ریاستیں بن گئیں ہیں، کچھ کو اللہ نے حکمرانی دے دی ہے، تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کہیں ہٹلر پیدا ہوتا ہے، کہیں فرعون پیدا ہوتا ہے، کہیں نمرود پیدا ہوتا ہے، یہ معمولی اختیار کے نتیجہ میں انسان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے، مگر اللہ فرماتے ہیں: اس کائنات کو میں نے تمہارے سپرد نہیں کر دیا، میں جب چاہتا ہوں، حکمرانوں کی حکمرانی کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتا ہوں۔ میں جب چاہتا ہوں طاقت کا توازن تبدیل کر کے رکھ دیتا ہوں۔ میں جب چاہتا ہوں لوگوں کے ہاتھوں سے حکومت لیتا ہوں اور دوسروں کو دے دیتا ہوں۔ وہ اپنے جلال پر آتا ہے تو قرآن کہتا ہے:

''فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ'' (العنکبوت:۴۰)

''تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

یعنی میں پکڑنے پر آیا تو ہر ایک کو اس کے گناہوں کے بدلہ میں پکڑ لیا۔

''فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ'' (العنکبوت:۴۰)

''سو ان میں بعضوں پر ہم نے تند ہوا بھیجی۔'' (ترجمہ بیان القرآن)

یہ جو ہوا ہے جس کے نتیجے میں تم سانس لیتے ہو، میرے حکم کی پابند ہے، میں اس کو اشارہ کرتا ہوں، یہ طوفان میں بدل جاتی ہے اور لوگوں کو ان کے مسکنوں میں پناہ نہیں ملتی، ثمود جیسی مضبوط قوم تھی، پہاڑ تراش کر وہاں پر مسکن بناتے تھے، جب اللہ کا حکم آیا، آواز آئی تو وہ وہیں اندر کے اندر مر گئے۔ کبھی قرآن کو پڑھیں نا، ابھی حضرت قاری صاحب نے پورے اہتمام سے پڑھایا، یہ قرآن کی شان ہے کہ بغیر پڑھے بھی روحوں کو سکون دیتا رہے اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کے سینوں میں اُتر جاتا ہے، لیکن یہ آپ حضرات جو دنیا کے

اعتبار سے اتنے تعلیم یافتہ ہیں، ذرا قرآن کو کھول کر تو دیکھئے! کیسے کیسے قوموں کا تذکرہ کرتا ہے اور دیکھیں! بتائیں! یہ کوئی انسانی کلام ہوسکتا ہے؟ یہ ایک ایسا شان دار کلام تھا کہ جب یہ اپنے عروج پر جنہیں سمجھ میں آرہا تھا، اُن سے ان کی شاعری چھن گئی، عربوں کو اپنی زبان پر فخر اور ناز تھا، وہ ہر سال اپنی زبان کے لیے قصیدوں کا مقابلہ کیا کرتے تھے کہ کون بہتر قصیدہ کہے گا؟ اس کو ہماری علمی تاریخ میں معلقات کی روایت کہا جاتا ہے، جو قصیدہ اعلیٰ ترین بن جایا کرتا تھا، اس کو سونے کے پانی سے لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا، ایسے سات قصیدے ہیں۔ The Seven Hanging Odes کے نام سے انگریزی میں ترجمہ ملتا ہے (ان اشعار کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے) یہ شاعری صدیوں سے پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے، ماقبل اسلام کی شاعری ہے، کل ملا کر سات شاعر ہیں، ان میں سے ایک شاعر ''لبید'' تھا، چوتھے نمبر پر اس کا قصیدہ ہے:

عفت الدیار محلها فمقامها　　　　بمنی تأبّد غولُها فرِجامها

(المعلقات السبع، المعلقة الرابعة، ص:۸۹، سنة الطباعة ۲۰۱۹ء، مطبع: البشری)

یہ وہ شاعر ہے جس کو آپ ﷺ کا زمانہ ملا اور اس نے قرآن اُترتا دیکھ لیا، لبید کا قصیدہ بھی ان قصیدوں میں سے ہے جس کا انتخاب کرکے سونے کے پانی سے لکھ کر لٹکایا گیا تھا۔ قرآن نازل ہوا، الطاف حسین حالی مرحوم (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) نے شعر کہا ہے نا کہ:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی

(مسدس حالی، ص:۱۷، مطبع: تاج کمپنی، لاہور)

ایسا قادر الکلام شاعر جس نے چیلنج کرکے کلام کہا ہو، مقابلہ جیتا ہو، خانہ کعبہ (جو اس زمانے میں بھی ان کے ہاں مسلّم اور محترم جگہ تھی) پر اس کا کلام لٹکا دیا ہو، ایسے شاعر کی زبان گنگ ہوگئی، کسی نے پوچھا کہ لبید! اب شاعری نہیں کرتے؟ اب شعر کہنا چھوڑ دیئے؟ جواب دیا کہ: ''أ بعد زَهراوَین؟'' یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران کے بعد بھی شاعری کی جاسکتی ہے؟!

ایک اور قصہ اس کے بارے میں لکھا ہے، دلچسپ ہے، تاریخی قصے ہیں، تاریخی قصے جس طرح ثابت ہوتے ہیں اسی طرح یہ ثابت ہے، کسی آدمی نے اس کا امتحان لیا اور کہا کہ بڑے قادر الکلام شاعر ہو، میں نے تین مصرعوں کا ایک شعر کہا ہے، چوتھا بن نہیں رہا، (ہماری اردو میں بھی صنفِ رباعی ہے) چوتھا مصرعہ کہہ دو تو (رباعی) مکمل ہوجائے گی، لبید نے کہا کہ کونسے مصرعے ہیں؟ تو اس نے لبید کو سورۃ الکوثر سنادی:

''إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ○'' (الکوثر:۱-۳)

ترجمہ: ’’بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ سو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔‘‘ (بیان القرآن)

آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ شاعری میں آخر کے اندر ایک آہنگ پیدا ہوتا ہے، جیسے: ’’الْكَوْثَرَ، وَانْحَرْ، اَبْتَرُ‘‘۔ کہنے والے نے کہا کہ: یہ تین شعر کہے ہیں اور چوتھا ہو نہیں رہا، کوشش کرو چوتھا بنادو۔ لبید نے یہ تین مصرعے سنے اور غور وفکر میں پڑ گیا، بعض روایات میں ہے کہ کسی غار میں چلا گیا، غور وفکر کے لیے وقت مانگ لیا، غور کرتا رہا، کیا کرے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، چوتھا مصرعہ کیا کہوں؟! اس سے صرف یہی کہا جاسکا کہ: ’’مَا هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ‘‘ یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہوسکتا، یہ شاعری نہیں ہے، تم نے مجھے غلط بات کہی۔

عزیزانِ گرامی! قرآن کریم کو کبھی کھول کر پڑھئے، وہ بتاتا ہے کہ قوموں کو نشہ چڑھ جاتا ہے، دماغ میں تکبر آجاتا ہے، ایسے بدبخت ہوتے ہیں جن کو مال اللہ دیتا ہے، وہ اس زعم کا شکار ہوجاتے ہیں کہ یہ مال ہم نے خود کمایا ہے۔ قرآن قصہ سناتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اس طرح کا ایک دیوانہ تھا، مال کا زعم تھا، قرآن کہتا ہے کہ: مال اتنا تھا کہ اس کے خزانوں کی صرف چابیاں اونٹوں پر لادی چلی جاتی تھیں:

’’لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ‘‘ (القصص:۷۶)

’’کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کردیتی تھیں۔‘‘ (ترجمہ بیان القرآن)

پیغمبروں نے کہا: اس مال پر اتنا نہ اتراؤ، دینے والے نے دیا ہے، دینے والا آزمائش کی بنا پر دیتا ہے:

’’وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ط اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ‘‘ (الشوریٰ:۲۷)

’’اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی فراخ کردیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے، لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز (مناسب) سے (ہر ایک کے لیے) اُتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا (اور اُن کا حال) دیکھنے والا ہے۔‘‘ (ترجمہ بیان القرآن)

یہ دھوکے میں نہ پڑو کہ تم نے دکان کھولی اور تم اپنے زور پر کمار ہے ہو، تم نے فیکٹری بنائی ہے، تم اپنے زور پر بنا رہے ہو، تمہیں کوئی اللہ نے خاص دماغی صلاحیت دی ہے، اس پر اِتراؤ مت:

’’لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ‘‘ (القصص:۷۶)

’’(اس مال وحشمت پر) اِترا مت، واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

یعنی اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس نے کہا: نہیں:

’’قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ‘‘ (القصص:۷۸)

’’قارون یہ سن کر کہنے لگا: مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔‘‘

یعنی یہ مجھے کسی نے دیا نہیں، یہ مجھے میرے علم سے ملا ہے، یہ میری دانش سے ملا ہے، یہ زعم ہے جو انسان کو اس کائنات میں مار رہا ہے، یہ خیال ہے لوگوں کو جو دیوانہ کیے جا رہا ہے، مایوس بھی اس وجہ سے ہو رہے ہیں، تکبر میں اس وجہ سے مبتلا ہو رہے ہیں۔ جن سے دنیا کی کچھ چیزیں چھن جاتی ہیں، دیوانے ہوئے پھر رہے ہیں، خودکشیوں کی نوبت آرہی ہے، بھائی بھائی کے گریبان پر ہاتھ ڈال رہا ہے، وہ باپ جس نے ساری زندگی کھلایا، جائیداد کے لیے اس باپ کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا جا رہا ہے، خیال یہ ہے کہ یہ مال نہیں ملے گا تو کیا ہوگا؟! گویا یہ دنیا تو بے راعی کا گلہ ہے، چلانے والا تو چلا نہیں رہا، کوئی ہمیں دیکھ نہیں رہا، مرضی ہے، یہ نہیں ملا تو کیا ہوگا؟! بوڑھے والد کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا جا رہا ہے، ماؤں کو دھکے دیے جا رہے ہیں، خون سفید ہو رہا ہے، بھائی بھائی کا نہیں ہو رہا، زعم ہے، خیال ہے، یہ ٹکا نہیں ملے گا تو کیسے گزارا کروں گا؟! یہ زمین کا ٹکڑا میرے ہاتھ میں نہیں تو میں کیسے جی پاؤں گا؟! اور جن کے پاس دنیا ہے وہ طاقت کے فرعون بنے ہوئے ہیں، جس کو دیکھ کر اُن کے دماغ پر یہ بھوت سوار ہے کہ میرے پاس طاقت ہے، طاقت کے نشہ میں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

’’فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ‘‘ (القصص:۸۱)

’’پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرا کو زمین میں دھنسا دیا۔‘‘ (ترجمہ بیان القرآن)

یعنی ہم نے اس کو دھنسا دیا، زمین کے اندر دھنسا دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔

قرآن کا پیغام یہ ہے: ’’تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ‘‘ (الواقعۃ:۸۰) یعنی ’’یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔‘‘ وہ اپنے بارے میں کہتا ہے: وہ (قرآن) مفکر کی فکر کی کارستانی نہیں، شاعر کی شاعری نہیں، سوچ بچار کا حاصل نہیں، یہ آں سوئے افلاک سے اُتر کر انسانوں کو اللہ کا پیغام دے رہا ہے: انسانو! میں نے تمہیں اس کائنات میں ایک خاص غرض کے لیے پیدا کیا ہے، میں اپنی غرض کا حساب لوں گا:

’’اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ‘‘ (المومنون:۱۱۵)

’’ہاں! تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے اور یہ خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے؟!۔‘‘ (ترجمہ بیان القرآن)

اتنے سادے ہو گئے، دنیا کی رنگینی اتنی دیوانہ کر گئی، کھانے میں تھوڑی سی دیر ہو جائے، وقت پر چیز نہ ملے تو ساری زندگی کی رفاقت کا خیال ختم ہو جاتا ہے۔ کمائی ہوئی گاڑی پر اسکریچ پڑ جائے آدمی گاڑی سے نہیں اُترتا، لگتا ہے کوئی جانور گاڑی سے اُتر گیا ہے۔ حکمرانوں کو خیال ہے کہ ہمیں حکمرانی ملی ہے، یہ کوئی خدائی

استحقاق ہے، خاندانی حکمران ہیں، باپ بھی حکمران تھے، دادا بھی حکمران تھے۔ نہیں، نہیں! جس کو یہاں جو ملا ہے، آزمائش کے لیے ملا ہے:

’’إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا‘‘ (الکہف:۷)

’’ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے باعثِ رونق بنایا، تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔‘‘ (ترجمہ بیان القرآن)

ہم انہیں آزمار ہے ہیں، ہم انہیں دیکھ رہے ہیں، انسان کے اندر یہ احساس پیدا نہیں ہو رہا۔ عزیزانِ گرامی! ہماری کوئی چیز حل نہیں ہو پائے گی، ہماری ڈگریاں ہمیں نجات نہیں دے پائیں گی، ہمارا مال ہمیں نجات نہیں دے پائے گا، ہمارے تعلقات ہمیں نجات نہیں دے پائیں گے، یہ اولاد کام نہیں آئے گی، اولاد اُن کے پاس بھی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کھڑے ہوئے تھے: ’’وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا‘‘ (المدثر:۱۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مخالفین کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بارہ بیٹے تھے، آپ لوگ اندازہ لگائیں عربوں کے معاشرے میں باپ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے سامنے یوں بارہ جوان بیٹے چارپایوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی آدمی جرأت کر کے بات نہیں کر سکتا تھا، اور مقابلے میں آمنہ کا لعل (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا جس کے نام سے لوگوں کو آج اولادیں ملتی ہیں: ’’هو الحبيب الذي ترجى شفاعته‘‘ خیال یہ تھا یہ قصہ ختم ہو جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تذکرہ بھی نہیں ہوگا، ان کی تو اولاد نہیں ہے، اللہ نے فرمایا: نہیں، نہیں، تمہارے دشمن ہار جائیں گے، ان اولادوں والوں کی اولادوں کے نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہی عرب کی بستی ہے، یہ عرب کے لوگ ہیں، قریش سے سلسلۂ نسب بھی ثابت ہے، کوئی آدمی نہیں ملتا جو یہ کہے: میرے خاندان میں ابوجہل گزرا تھا، کوئی نہیں ملتا جو یہ کہے کہ: ولید گزرا تھا، عرب ہیں اور عربوں کو فخر ہے، وہ خاندان نہیں رہے۔

عزیزانِ گرامی! یہ دنیا بے راعی کا گلہ نہیں ہے، وہ اپنے فیصلے کس شان سے کرتا ہے، کس کو کیا چیز دے کر آزماتا ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فرعونوں کی فرعونیت، نمرودوں کی نمرودیت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ یہ آزمائش ہوتی ہے اہلِ علم کے لیے، اہلِ ایمان کے لیے کہ وہ کھڑے کس طرح ہوتے ہیں، یہ بھی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا نواسہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں ساتھ لاتے تھے، خطبہ میں ایک بار دیکھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے، خطبہ چھوڑ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لے کر کھڑے ہو گئے، اُس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لاشہ کٹا، یہ وقت بھی آیا۔ آج کچھ لوگوں کا زعم ہے، وہ طاقت کے نشہ میں سرشار ہیں، غزہ کے مسلمانوں پر لوہے اور بارود کی بارش برسا رہے ہیں، یہ تھوڑی دیر کا زعم ہے، اہلِ نظر اس موقع پر بھی دیکھ رہے ہیں کہ طاقتیں برہنہ ہو گئیں، حقوقِ انسانی کے علمبردار رُسوا ہو گئے، حقوق کی بات کرنے والے بات کرنے کے قابل نہیں رہے، قرآن سچا

ہو گیا، لوگ منہ چڑاتے تھے کہ قرآن کہتا ہے:

’’ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔‘‘ (آل عمران:۱۱۲)

’’جمادی گئی اُن پر بے قدری جہاں کہیں بھی پائے جاویں گے، مگر ہاں ایک تو ایسے ذریعہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہے اور مستحق ہو گئے غضبِ الٰہی کے۔‘‘ (ترجمہ بیان القرآن)

یعنی کہ یہودیوں پر اللہ کی مار ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ مولوی صاحب! آپ کہتے ہیں کہ: اللہ فرماتا ہے: ’’یہودیوں پر اللہ کی مار ہے۔‘‘ نوبل پرائز کی لسٹ اُٹھاؤ تو اس صدی کے اندر یہودیوں کے نوبل پرائز سب سے زیادہ ہیں، انہوں نے ہمیں یہ چیز بنا کر دی ہے، یہ چیز ایجاد کر کے دی ہے۔ بتایا: یہ دنیا ہے:

’’یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا‘‘ (الروم:۷)

’’یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔‘‘ (بیان القرآن)

یہ دنیا کی چند چیزوں کے بارے میں جانتے ہیں، یہ غلیظ قوم ہے، یہ بدبخت قوم ہے، اس پر اللہ کی مار ہے۔ قرآن نے سچائی بتائی، اُن کو عزت نہیں مل سکتی اور اہلِ غزہ نے بتایا جو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ: جو ایک مرتبہ کہتا ہے:

’’رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ (ﷺ) نَبِيًّا .‘‘ (ابوداؤد، ترمذی)

’’اے اللہ! میں راضی ہوں کہ آپ ہمارے رب ہیں، میں راضی ہوں کہ محمد ﷺ میرے نبی ہیں، اسلام میرا دین ہے، وہ ایمان کا ذائقہ چکھ لیتا ہے۔‘‘

کیسا ایمان کا ذائقہ چکھتے ہیں؟ وہ آزاد ہیں اور پوری دنیا قیدی بنی ہوئی ہے، وہ بے گھر ہو کر بھی بے خوف جی رہے ہیں اور لوگ گھروں کے اندر بیٹھ کر بھی ڈر رہے ہیں، کسی حکمران نے کچھ کہہ دیا تو کہیں ہمارا ناطقہ بند نہ ہو جائے، پٹرول اور دولت لے کر بھی چہرے نحوست میں مبتلا ہیں، غیرت اور شرم ختم ہو گئی اور اُن لوگوں نے اللہ اور رسول کا نام لیا، ثابت قدمی سے جمے ہوئے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! قرآن اور اسلام کا پیغام یہ ہے، رمضان نے آپ کو اس کی مشق کروائی، اس تربیت سے گزارا کہ بھوک، پیاس کے ساتھ اللہ کی یاد کے ساتھ کیسے جیا جا سکتا ہے؟! کیسے نیند قربان کر کے بھی نیند کا مزہ لیا جا سکتا ہے؟! اللہ کی یاد میں بے خوابی کا سکون نیند کی راحت سے بڑھ کر ہے، اگر وہ بے خوابی اللہ کی یاد کے ساتھ اور بھوک پیاس کے ساتھ ہو۔

یہ پیغام ہے جو اللہ دیتے ہیں، یہ پیغام ہے جو اہل اللہ نے دیا، اور اب یہ مسجدیں اور مدارس یہ کام کر رہے ہیں، یہ اپنی پوری تاریخ رکھے ہوئے ہیں۔ تفصیلات کے بتانے کا موقع نہیں ہے۔ ہم تو اپنے ظاہری لوگوں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ آپ کو ان امام صاحب کی گفتگو اور حرارتِ ایمانی کے پیچھے ان کے آباء کی تاریخ نہیں معلوم، یہ سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے لوگ ہیں، جنہوں نے آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے جہاد پر بیعت کی اور لوگوں کو تیار کیا، ہم تو ان محسنین کو نہیں جانتے، آپ کو آج بھی نہیں اندازہ ہو سکتا اور بہت سی تفصیلات بتانے کا موقع نہیں ہے کہ اس وقت ساؤتھ افریقہ نے جو غزہ اور اہلِ غزہ کا مقدمہ لڑا ہے، چاہے وہ کسی بھی درجے میں ہے، اسرائیل کی ذلت کا سبب بنا ہے اور عالمی عدالتوں میں کیس درج کیا ہے، اس کے پیچھے بھی اس جامعہ کے فاضلین موجود ہیں۔ تفصیلات بتائی نہیں جا سکتیں، لوگوں کے علاج معالجہ سے لے کر اور ہمارے حضرت قاری صاحب جیسے قاریوں کی تیاری تک یہ مدارس کام کر رہے ہیں، یہ آپ کے ایمان کے مرکز اور حفاظت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں اور یہ لوگوں کو لے کر آتے ہیں اور تربیت کرتے ہیں اور ہمارا معاملہ یہ ہے چند قدم یہاں سے وہاں جانا پڑ جائے تو گھبراہٹ شروع ہو جاتی ہے، تکلیفیں شروع ہو جاتی ہیں۔

یہ مدارس کیا کر رہے ہیں! یہ ہمیں معلوم ہے۔ آپ کیا کر رہے ہیں؟! آپ غور کیجئے۔ آپ نے اپنی جوانی اس دین کے لیے وقف کی ہے؟! آپ نے اپنے مال میں سے حصہ نکالا ہے اس کے لیے؟! آپ نے اپنے بچوں اور اولاد کی تربیت کا سوچ لیا ہے؟! آپ نے ان لوگوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟! اب بات ختم کرتا ہوں۔ یہ پیغام اللہ کی دعوت ہے، وہ مستغنی ذات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا تھا کہ ماں اپنے بچے کو جہنم میں ڈال سکتی ہے؟ اور اللہ کے بارے میں آپ کہتے ہیں: وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ جہنم میں کیسے ڈالے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال تو ایسی ہے کہ کسی آدمی نے صحراء میں آگ جلائی ہو اور پرندے پتنگے اس آگ پر گر رہے ہوں اور وہ آگ سے دور بھگا رہا ہو، میں تو تمہیں پکڑ پکڑ کر اس جہنم کی آگ سے بچانا چاہتا ہوں، تم جا رہے ہو، یہ تمہارا نصیب ہے۔

یہ رمضان کا مہینہ گزر جائے گا۔ عزیزانِ گرامی! ہم نے اپنی زندگی کا فیصلہ نہیں کیا تو یہ زندگی واپس نہیں آئے گی، آج فیصلہ کر لیجئے، آج فیصلہ کر کے اُٹھیے، آج امام صاحب کی دعا میں اپنا دل اللہ کو دے کر اُٹھیے۔ گزر جاتی ہے زندگی، بھوک کے ساتھ بھی گزر جاتی ہے، تھوڑے کے ساتھ بھی گزر جاتی ہے، ہمت پیدا کیجئے، آج فیصلہ کر کے اُٹھیں یا اللہ! بہت ہو گئی، اب تیری مانیں گے اور تجھ سے ہی مانگیں گے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....